اکائی: 3 قدیم عربی تنقید

اکائی کے اجزا

3.1 مقصد

3.3 تمہید

3.4 عصر جاہلی میں تنقید کے مظاہر

3.5 عربوں کے بازار اور میلے

3.6 خواتین کا تنقیدی ذوق

3.7 الفاظ کا صحیح استعمال

3.8 شعرا کے ناموں کی معنویت

3.9 عصر اموی اور تنقید

3.10 عصر اموی کی تنقید کے خصائص

3.11 ۱۔ حجاز

3.12 ۲۔ عراق

3.13 ۳۔ شام

3.14 عصر اموی کی تنقید کا اجمالی جائزہ

3.15 معلومات کی جانچ

3.16 عصر عباسی اور تنقید

3.17 راوی اور تنقید

3.18 محمد بن سلام الجمحی

3.19 ابوعثمان عمرو بن قتیبۃ

3.20 ابوالعباس المبرد

3.21 ابوالعباس احمد بن یحی بن زید الشیبانی ثعلب

3.22 عبداللہ بن المعتز

3.23 ابن طباطبا العلوی

3.24 عربی تنقید کے اہم مباحث

3.25.1 موازنہ

3.25.2 لفظ و معنی

3.25.3 جدت و قدامت

3.25.4 حسن الفاظ

3.25.5 حسن تالیف

3.25.6 صنعت و طبع

3.25.6 وحدت قصیدہ

3.25.8 سرقۂ شعری

3.25.9 مسئلہ انتحال

3.25.10 صدق و کذب

3.26 نمونے کے امتحانی سوالات

3.27 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

3.1 مقصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد طلبہ:

- ☆ عصر جاہلی میں تنقید کے خصائص سے واقف ہوسکیں گے
- ☆ عصر اموی میں تنقید کی نشو ونما کے اسباب جان سکیں گے
- ☆ عصر عباسی میں تنقید کے ارتقا کے اسباب کا جائزہ لے سکیں گے
- ☆ عصر عباسی کے اہم ناقدین اوران کے کارناموں سے واقف ہوسکیں گے
- ☆ قدیم عربی تنقید کے اہم مباحث سے آگاہ ہوں گے
- ☆ مسئلہ انتحال کو سمجھ سکیں گے

3.2 تمہید

عربی تنقید کا آغاز عصر جاہلی سے ہوتا ہے۔عصر جاہلی ،عصر اسلامی اور عصر اموی میں تنقید کے موضوع پر کوئی کتاب نہیں ملتی۔عصر عباسی میں تحریر کردہ کتابوں،شعراء کے تذکروں اور تراجم سے پتا چلتا ہے کہ عصر جاہلی شعراور نقد کے میدان میں ایک زرخیز عہد تھا۔شعرا کا اچھا ذوق ،ادبی مراکز اس بات کی دلیل ہیں۔عکاظ کے بازار میں نابغہ ذبیانی کے لیے''سرخ خیمہ''نصب کیا جاتا تھا اور نابغہ شعرا کے درمیان 'حکم' کا کام انجام دیتے تھے۔ایک بار مشہور شاعر اعشی نے نابغہ ذبیانی کے سامنے ایک قصیدہ پڑھا،اس کے بعد حسان بن ثابت نے کچھ اشعار سنائے ،نابغہ نے کہا کہ اگر آپ سے پہلے اعشی شعر نہ سنائے ہوتے تو میں آپ کو انس وجن دونوں میں سب سے بڑا شاعر مانتا،حضرت حسان نے فرمایا: خدا کی قسم میں

تم سے،تمہارے باپ سے،اورتمہارے دادا سے بھی بڑا شاعر ہوں۔نابغہ نے ان کا ہاتھ تھاما اور کہا کہ آپ اس پر قادر نہیں ہیں کہ ایسا شعر کہہ سکیں:

فانک کا للیل الذی ھو مدرکی

وان خلت ان المتنائی عنک واسع

(تو اس رات کی طرح ہے جو آنے والی ہے اگر چہ تجھے وہ دور ہی معلوم ہو رہی ہو)

3.3 عصر جاہلی میں تنقید کا مظاہر

عربی زبان میں تنقید کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ شاعری کی۔یہ ایک آفاقی حقیقت ہے کہ تنقیدی شعور اور شاعری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔شاعر فطری طور پر ناقد ہوتا ہے۔جمال اور قبح،صحیح اور غلط کی تمیز کی صلاحیت اس کے اندر عام لوگوں سے زیادہ پائی جاتی ہے۔اسی لیے عربی تنقید کی تاریخ کا ذکر عربی شاعری کے ذکر کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔عربی کی شاعری کی جو تاریخ ہم تک پہنچی ہے وہ ڈیڑھ سو یا دو سو سال پرانی ہے۔معلوم عربی شاعری کے اولین شعراء امرؤالقیس اور مھلھل بن ربیعۃ ہیں۔جاحظ نے اپنی کتاب ''الحیوان'' میں لکھا ہے:

> ''شاعری نومولود اور نوعمر ہے،اولین شاعر امرؤالقیس بن حجر اور مھلھل بن ربیعۃ ہیں۔عربی شاعری کا جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ ظہور اسلام سے ڈیڑھ سو سال قبل شروع ہوتی ہے یا زیادہ سے زیادہ دو سو سال قبل''۔

عربی ادب کی تاریخ بھی ہمیں اسی دور سے ملتی ہے۔اس دور کو ہم جاہلی دور یا عصر جاہلی بھی کہتے ہیں۔اس دور میں تنقید ابتدائی،غیر منضبط اور غیر منظّم شکل میں نظر آتی ہے۔لوگ شعر سنتے تھے اور اپنے ذوق کے مطابق اس کی خوبیوں اور

خامیوں پر گفتگو اور تبصرہ کرتے تھے۔ یہ بالکل فطری جائزے تھے۔شعر کو سننے کے بعد سامع کے ذہن پر جو فوری تاثر قائم ہوتا وہ اس کو بے کم وکاست بیان کر دیتا تھا۔عرب فطری طور پر زبان کا عمدہ اور ستھرا ذوق رکھتے تھے انہیں زبان اور بیان کی خوب پرکھ تھی۔ان کے یہ تاثرات اسی ذوق سلیم کی بنیاد پر قائم ہوتے تھے۔

3.4 عربوں کے بازار اور میلے

تنقید کی اس ابتدائی شکل کے بہترین مظاہر ہمیں ان بازاروں اور میلوں میں دیکھنے کو ملتے ہیں جو زمانۂ جاہلی میں عرب کے مختلف مقامات پر منعقد ہوا کرتے تھے۔ان بازاروں میں ذاتی اور تأثراتی تنقید کو نشو ونما پانے اور پنپنے کا خوب موقع ملا۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بازار ادبی محفلیں اور سمینار تھے۔اس عہد کی تنقید کے اصول تو ہمیں کتابوں میں نہیں ملتے ،مگر ناقدین کے مختلف اشعار پر تبصرے اس بات کی گواہی ضرور دیتے ہیں کہ عربوں کا ادبی اور تنقیدی رجحان فطری طور پر کافی نکھرا ہوا تھا۔کسی فکر اور تجزیے کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔بعثت نبویؐ سے قبل جو بازار زیادہ مشہور تھے ان کی تعداد بیس تک بتائی جاتی ہے۔ان میں سے اہم ترین عکاظ،ذو المجاز، مجنہ، دومۃ الجندل ،عدن،حضر موت ،صنعاء، مکۃ ، اذرعات ، بصری وغیرہ تھے۔ان تمام میں عکاظ کا بازار سب سے زیادہ مقبول اور اہم تھا۔ یہ بازار مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی میں لگا کرتا تھا۔اس بازار کی حیثیت بڑھ کر ایک ادبی محفل کی ہوگئی تھی۔ دور دراز سے شعرا اپنا کلام پیش کرنے یہاں آتے تھے اور حکم حضرات اس سلسلے میں اپنی رائے پیش کیا کرتے تھے۔ان تمام حکموں سب سے زیادہ اہم شخصیت مشہور جاہلی شاعر نابغۃ الذبیانی کی تھی۔

3.5 خواتین کا تنقیدی ذوق

اس دور میں خواتین کا ادبی اور تنقیدی ذوق بھی کافی نکھرا ہوا تھا۔ ہمارے دعوے کی تصدیق امرؤالقیس کی بیوی ام جندب کے مشہور واقعے سے ہوتی ہے۔ جاہلی شعرا کے امام تصور کیے جانے والے امرؤالقیس اپنے چچا زاد بھائی علقمہ الفحل کے ساتھ ایک مرتبہ اپنی اہلیہ کے پاس آئے۔ علقمہ بھی شاعر تھے۔ دونوں نے ام جندب سے درخواست کی کہ وہ فیصلہ کریں کہ ان دونوں میں بہتر شاعر کون ہے؟ ام جندب نے دونوں سے ایک ہی بحر، قافیے اور ایک ہی موضوع پر شعر کہنے کو کہا۔ جب دونوں نے اپنا اپنا کلام سنایا تو ام جندب نے اپنے شوہر امرؤالقیس سے کہا کہ علقمہ آپ سے بہتر شاعر ہیں۔ امرؤالقیس نے پوچھا کہ اس ترجیح کی وجہ کیا ہے؟ تو ام جندب نے کہا کہ آپ کے اشعار میں گھوڑا آپ کے کوڑے اور آپ کے خوف سے دوڑ رہا ہے۔ آپ نے اس کو تھکا دیا ہے, مگر علقمہ کی شاعری میں گھوڑا لگام پکڑتے ہی روانی سے دوڑا چلا جا رہا ہے۔ نہ مشقت کا اظہار ہے نا ہی تھکن کا۔ امرؤالقیس اور علقمہ دونوں نے ہی شکار کے وقت اپنے گھوڑے کے دوڑنے کی کیفیت کی تصویر کشی کی تھی۔ اس واقعے سے جاہلی معاشرے میں خواتین کے اعلیٰ ادبی اور شعری ذوق کا پتا چلتا ہے، ساتھ ہی ساتھ تنقید کا یہ پیمانہ بھی ملتا ہے کہ ادب کا حقیقی حسن حقیقت اور کمال حقیقت کی تصویر کشی ہے۔

جاہلی دور میں شعرا عوام الناس کے سامنے اپنے کلام کو پیش کرنے سے پہلے اس کی تنقیح اور تہذیب کرتے تھے۔ کلام کے اسلوب کو نکھارتے اور زبان و بیان کو سنوارتے تھے۔ معانی اور مفاہیم کا مراجعہ کرتے تاکہ کلام لسانی غلطیوں سے پاک رہے۔ تنقید کی اس شکل کی سب سے مشہور مثال معروف جاہلی شاعر زھیر بن ابی سلمیٰ کی شاعری کی ہے۔ ان کے بعض طویل قصائد کو ''حولیات'' (وہ قصائد جن پر ایک سال گزر گیا ہو) کا نام اسی لیے دیا گیا کہ وہ ان قصائد کو لکھنے کے بعد فوراً منظر عام پر نہیں لاتے تھے۔ چار مہینے تک وہ ان پر نظر ثانی کرتے، حذف و اضافہ کرتے، پھر اپنے قریبی دوستوں کو ان پر نظر ثانی کرنے کے لیے کہتے، ان کے دوست بھی چار مہینے تک ان قصائد پر غور و فکر کرنے کے بعد اپنی آراء

سے نوازتے۔ پھر یہ قصائد ثقہ اصحاب رائے کے پاس بھیجے جاتے اور وہ بھی چار مہینے تک ان پر غور وخوض کرتے اور اپنی آراء پیش کرتے۔ یہ قصائد اس طویل تنقیدی عمل سے گزرنے کے بعد اپنی مکمل اور بہترین شکل میں عوام کے سامنے آتے تھے۔ زھیر بن ابی سلمٰی جاہلی شعراء کے ائمہ میں سے ایک ہیں اور اس کی ایک بڑی وجہ یہی طویل تنقیدی اور تنقیحی عمل ہے۔

3.6 الفاظ کا صحیح استعمال

عہد جاہلیت میں تنقید کا ایک اہم مظہر شعرا کا الفاظ کا صحیح مقام اور مناسبت سے استعمال بھی تھا۔ وہ الفاظ کے غلط استعمال کو فوراً پکڑ لیتے تھے، چنانچہ مشہور شاعر طرفہ نے مسیّب بن علس کا ایک شعر سنا جس میں اونٹ کی صفت میں ''صیعریۃ'' کا لفظ استعمال کیا گیا تھا۔ یہ لفظ اونٹنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ طرفہ نے شعر سن کر کہا کہ مسیّب نے اونٹ کو اونٹنی بنا دیا۔

3.7 شعرا کے ناموں کی معنویت

عہد جاہلی میں شعرا کے نام ان کی صفت کے پیش نظر رکھے جاتے تھے۔ مثلاً مہلہل بن ربیعہ کا نام مہلہل اس لیے پڑا کہ ان کی شاعری بہت دقیق تھی۔ 'ھلھلۃ' کے لفظی معنی ہیں کپڑے کو باریک بننا۔ مہلہل کی شاعری لطیف اور نامانوس الفاظ سے پاک تھی اسی طرح کعب غنوی کو ''کعب الامثال'' اس لیے کہا جاتا تھا کہ انہوں نے اپنے اشعار میں مثالوں کا کثرت سے استعمال کیا۔ طفیل غنوی کو 'طفیل الخیل'' اس لیے کہا جاتا تھا کہ ان کے اشعار میں گھوڑے کی تعریف کثرت سے پائی جاتی تھی۔ امرؤالقیس کو ''الملک الضلیل'' اس لیے کہا جاتا تھا کہ آوارہ اور آزاد مزاج تھے، اور کثرت سے شراب نوشی کرتے تھے۔ ضلیل کے معنی ہیں 'بہت آوارہ' الملک الضلیل یعنی بہت آوارہ بادشاہ۔ یہ اس

بات کی دلیل ہے کہ عصر جاہلی میں عربوں کا تنقیدی شعور کافی پختہ تھا۔

3.8 عصر اموی اور تنقید

تنقید کے اعتبار سے عصر اموی کا آخری دور بہت اہم ہے۔اصمعی ،ابو عمرو بن علاء ،حماد الراویه اور خلف الاحمر جیسے شاعروں اور ادیبوں نے اس دور میں تنقید کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کا کارنامہ انجام دیا۔

اموی دور میں عربی تنقید نے محدود شخصی پیمانوں سے نکل کر اصول اور ضوابط کی فنی شکل اختیار کی۔عصر اموی میں امرا اور خلفا کے درباروں میں شعر ونقد کی مجالس منعقد ہوا کرتی تھیں۔شعرا کو گراں قدر انعامات سے نوازا جاتا تھا۔اموی امرا خود بھی شعر وادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔خصوصاً عبدالملک بن مروان کا تنقیدی ذوق بہت بلند تھا۔

جراح نے اپنی کتاب ''الـــورقة'' میں ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔عباس بن احنف نے ہارون رشید کے سامنے ایک قصیدہ پڑھا، ہارون رشید کو قصیدہ بہت پسند آیا اور پوچھا کہ کیا اس طرح کے اشعار تم سے پہلے بھی کسی نے کہے ہیں؟ عباس نے کہا کہ نہیں۔ہارون رشید نے اصمعی کو بلوایا،اصمعی اور عباس بن احنف میں رنجش اور مخالفت تھی۔جب اصمعی دربار میں پہونچا تو عبدالملک نے اشعار پڑھ کر پوچھا کہ اس طرز کی شاعری اس سے قبل بھی ملتی ہے؟ اصمعی نے کہا بہت لوگوں نے اس طرز کے شعر کہے ہیں اور تھوڑے وقفے کے بعد ایسے اشعار سنا دیئے،احنف کا بیان ہے کہ میں بہت خفیف ہوا جب ہم دونوں باہر نکلے تو میں نے اصمعی کو قسم دلا کر کہا کہ سچ سچ بتاؤ یہ شعر تم نے کہے ہیں یا کسی دوسرے کے ہیں ،اس نے جواب دیا ہاں میرے ہی ہیں،مگر خلیفہ کو میں نے اس طرح سنایا گویا کسی دوسرے کے ہیں۔

3.9 عصر اموی کی تنقید کے خصائص

عصر اموی کی تنقید کا اجمالی جائزہ لینے پر اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں تنقید شعر کے اوزان ،معانی اور داخلی وخارجی عناصر پر گفتگو کے علاوہ شاعر کے احساس اور شعور کی گفتگو بھی کرنے لگی ،یوں تو ادب اور اظہار ادب میں وجدان اور صداقت کی خوبی جاہلی شعرا کی شاعری میں بھی پائی جاتی ہے۔لیکن اموی دور کے ناقدین نے شاعر کے وجدان اور شعور کو امتیازی خصوصیت کے طور پر نہیں دیکھا۔

عصر اموی میں تنقید کے تین مدارس وجود میں آئے:

(۱) مدرسۂ حجاز

(۲) مدرسۂ شام

(۳) مدرسۂ عراق

3.10 (۱) مدرسۂ حجاز

حجاز کی سرزمین میں شعر وادب اور تنقید کو کافی فروغ حاصل ہوا۔حجاز کا معاشرہ خالص دینی معاشرہ تھا۔مال ودولت کی فراوانی نے حجاز کے عوام کی زندگی بدل دی۔عہد اموی میں جب دارالحکومت حجاز سے باہر شام میں قائم ہوا تو لوگ حجاز کا مقدس سرزمین سمجھ کر مال ودولت حجاز بھیجنے لگے۔اموی حکمرانوں نے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے اہل حجاز کو عیش وعشرت اور تنعم کو ان کی زندگی میں داخل کر دیا۔اونچے اونچے محلوں اور حسین وجمیل باغات میں لہو ولعب اور سرور ونغمے کی محفلیں منعقد ہونے لگیں۔الفت اور محبت کے جذبات پنپنے لگے۔اسلامی اقدار اور روح کے غلبے کی وجہ سے

شاعری میں سفلیت نہیں آئی تھی۔ پاکیزگی اور شرافت کا دامن شعرا کے ہاتھوں سے نہیں چھوٹا تھا۔ طہ حسین نے لکھا ہے کہ:

''اموی دور کی غزل گوئی (الحب لعذری) میں شاعر اور اس معاشرے کی
جس میں اس نے زندگی گزاری صحیح تصویر نظر آتی ہے۔''

حجاز کی سرزمین پر شعرا کی بڑی تعداد جمع ہوگئی اور پھر ان کے درمیان شاعرانہ چشمک کا آغاز ہوا۔ اس شاعرانہ چشمک نے بھی تنقید کو نئی راہ دکھائی۔ شعرا تنقیدی مباحث اور دوسروں کے کلام کے محاسن و معائب کی تلاش میں لگ گیے۔ اس نے تنقید کو پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کیا۔ ادبی تنقید کے ڈھانچے میں نمایاں تبدیلیاں محسوس کی جانے لگیں اور تنقیدی اصول مرتب کیے جانے لگے۔

اس دور میں خواتین بھی مردوں کے ساتھ تنقید اور ادب کے میدان میں سرگرم تھیں۔ سکینہ بنت الحسین بھی نامور ناقدہ گزری ہیں۔ ان کے پاس شعری نشستیں ہوتی تھیں۔ اہل علم، اہل ذوق اور اہل سخن ان کے پاس جمع ہوتے تھے، ان سے اشعار اور شعرا کے کلام پر تنقید و تبصرہ کے لیے کہتے، چونکہ ان کا ذوق شعر و ادب بہت بلند تھا، طبیعت میں ظرافت بھی تھی، ان کی رائے قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی، اس لیے لوگ جمع ہوتے اور نقد سخن کا سلسلہ جاری رہتا۔

اسی طرح عقیلہ بنت عاقل بن ابی طالب کی مجالس اور تنقیدی آراء کے متعلق تذکرے کتابوں میں ملتے ہیں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تنقید کا معیار بلند ہونے کے ساتھ شعر و تنقید کا ذوق عام ہو رہا تھا۔ مردوں کے شانہ بشانہ صنف نازک میں ادبی تنقید اور فنی معلومات کا ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ یہ اس عہد کی خصوصیت ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جب کوئی بھی فن ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے اپنا ایک معیار قائم کر رہا ہو۔ اس سلسلے میں عائشہ بنت طلحہ اور ھند بنت المھلب کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔

حجاز کی سرزمین پر ادبی تنقید نے عہد اموی میں جو رواج پایا اس کا ذکر کرتے ہوئے احمد امین لکھتے ہیں۔۔۔

''تنقید نے ادب کے شانہ بشانہ ترقی کی ادب نے ایک نیا رخ اختیار کیا اور
ساتھ میں تنقید نے بھی، اور ذوق کی ترقی کے ساتھ تنقید نے بھی ترقی کی''۔

3.11 عراق

عراق کی سرزمین عہد اموی میں سیاسی اور گروہی چپقلش کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ خاص طور سے شیعی تحریک نے اسی سرزمین پر فروغ پایا، خوارج کی جماعت نے بھی عراق ہی کو سرگرمی کا ٹھکانہ بنایا، اور دوسری تحریکیں بھی اسی سرزمین میں پروان چڑھیں۔ سیاسی اغراض یا عقائد کے اختلاف نے جن تحریکوں کو اس سرزمین میں ہوا دی، اپنے نظریاتی عقائد کے اظہار کے لیے ان میں سے ہر ایک جماعت نے شعر وادب کا سہارا لیا اور مختلف جماعتوں کے شعرا نے شاعری کے ذریعہ اپنی اپنی جماعتوں کی موافقت اور مخالف گروہوں کی مخالفت میں بلیغ اشعار کہے اور ایک دوسرے کی فنی خامیوں کو بھی زیر بحث لائے، اس میں تنقیدی رجحان کو تقویت ملی، جریر و فرزدق کی شاعرانہ چشمک سے جو تنقیدی نکات سامنے آئے وہ بھی یہیں وجود میں آئے۔

3.12 شام

شام کی سرزمین پر شعر و شاعری نے تو زیادہ فروغ نہیں پایا، لیکن امراء اور سلاطین کی وجہ سے شعرا ان کے درباروں میں مدح خوانی اور اپنے فن کی داد وصول کرنے کی غرض سے جمع ہوتے تھے، خلفا اور امرا کے درباروں میں جو شعری نشستیں ہوتی تھیں وہ نقد سخن کے اعتبار سے بہت اہم ہوتی تھیں، اس لیے کہ خلفا خود شعر وادب کے ادا شناس اور زبان و بیان کی بلاغت کے رمز آشنا ہوتے تھے، ان کی تعلیم و تربیت میں خاص طور سے خیال رکھا جاتا کہ عربی زبان و شعر جو ان کا قومی اثاثہ تھا ان پر ان کو قدرت حاصل ہو، اسی لیے عربی زبان کی فصاحت و بلاغت اور ٹکسالی زبان کی تعلیم کے لیے خلفا اپنے بچوں کو قبائل میں بھیجتے تھے، عبدالملک نے اپنے بچوں کے اتالیق سے کہا کہ ان کو شعر کی تعلیم دیجئے تاکہ وہ اہل

کمال بن سکیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ شعروادب کی خلفا کے یہاں بہت اہمیت تھی ،خودنکتہ شناس اورنکتہ سنج ہونے کی وجہ سے شعرا کے کلام پر وقیع تبصرے کرتے ،بحیثیت تنقیدان کی بہت اہمیت ہوتی تھی ،ادبی تنقید کی تاریخ میں ان کونظر انداز نہیں کیا جاسکتا،اس لیے کہ عربی تنقید کی تعمیر میں ان تنقیدی مباحث وآرا کا بنیادی رول ہے،اسی بنیاد پر عربی تنقید کی عمارت کھڑی ہوئی ہے۔

ان تنقیدوں میں کبھی تو محض ارتجال ہوتا۔عجلت میں مختصر الفاظ میں آراء کا اظہار کیا جاتا اور کبھی غور وفکر کے بعد بات کہی جاتی اوراس بات میں وضاحت کے ساتھ ،علل اور اسباب کی توضیح کرتے ہوئے کہی جاتی ۔چونکہ صدر نشین کی رائے کی وقعت ہوتی ،اور دوسرے لوگ اس کی تائید میں کہتے یا اس کی تردید میں تو تفصیلی نکات بیان کرنا لازم ہوتا،ان مجلسوں میں محض شعرانہیں ہوتے بلکہ علما اور نقاد بھی ہوتے تھے۔اپنے علم وفن کی قدر و قیمت کی بقااوراس میں وزن پیدا کرنے کے لیے وہ غور وخوض کرتے اورادب ونصوص کی تعلیم وتعلم میں فنی نکتے زیر بحث لاتے ،اورنصوص کا موازنہ کرتے ،محاسن ومعائب بیان کرنے میں وجوہ کی تلاش کرتے ۔اس لیے تنقیدی بصیرت اوراس کی تفسیر وتعلیل میں کافی مدد ملی اور تنقید کا دائرہ وسیع ہوا۔

عبدالملک بن مروان کا دربار اس بات کے لیے مشہور ہے کہ وہاں شعری نشستیں ہوتی تھیں اوران میں شعرا اپنا کلام سناتے تھے۔خود عبدالملک جوشعروسخن کے دلدادہ تھے،حسن ذوق رکھتے تھے،شاعرانہ محاسن پر نظر رکھتے تھے،خود بھی تبصرہ کرتے اور دوسروں کے آراء سے بھی محظوظ ہوتے ۔بدوی طبانہ ان کی تنقیدی بصیرت کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

”ونقد عبد الملک نقد علیم بالادب ،خبیر
باحوال النفوس ،قادر علی التعمق فی لهم الشعر
وتذوقه ،ورایه فی هذا النقد یوافق آراء المتاخرین
من الشعراء و الادباء والقاد من امثال ابی تمام

،وابی هلال ،وقدامته بن جعفر"۔

عبدالملک بن مروان کی تنقید کی مثالیں کثرت سے الاغانی وغیرہ میں ملتی ہیں۔اس کی تنقیدی بصیرت کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک بار کثیر سے کہا کہ تم نے عزہ سے متعلق جو اشعار کہے ہیں ان میں سے کوئی شعر سناؤ۔تو کثیر نے یہ شعر پڑھا۔

هممت وهمت ثم هابت وهبتها

حیاء ومثلی بالحیاء حقیق

عبدالملک نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

اما واللہ لو لا بیت انشدتنیہقبل هذالحرمتک

جائزتک ،قال:ولم یا امیر المومنین ؟ قال لانک

شرکتها فی الهیبته ثم استاثرت بالحیاء ودونها ،

اس نے کہا:اے امیرالمومنین پھر کس شعر کی وجہ سے آپ نے درگذر فرمایا۔تو عبدالملک نے کہا اس شعر کی وجہ سے۔

دعونی ،لا ارید بها سواها

دعونی هائما فیمن یهیم

عبدالملک کی اس تنقید پر غور کرنے سے یہ نقطہ سامنے آتا ہے کہ شاعر کے احساس اور شعر کی معنوی خوبی پر سخت تنقید ہے اور یہ تنقید شاعر کے شعور اور اس کے تخیل کی بھی نکتہ چینی کرتی ہے۔شاعر جسے تعریف کی بات سمجھتا ہے درحقیقت وہ عیب ہے۔شاعر یہ نہیں کہتا ہے کہ سوزش عشق میں وہ فنا ہو رہا ہے۔معشوقہ کے عشق کا حال اور اس سے عشق کا اظہار اور تغزل ظاہر ہو رہا ہے بلکہ اس نے خوف،حیاء وشرم جو کسی محبوبہ کی صفت ہے کسی محبوب کی صفت نہیں ہوسکتی ہے،اپنے لیے بیان کرتا ہے۔اس تنقید میں شعر کے داخلی عناصر کی جو توضیح ہے وہ فنی ارتقاء کی واضح علامت ہے۔

عبدالملک کے علاوہ خلفاء میں ھشام بن عبدالملک کو بھی شعروادب کا ذوق وراثت میں ملا تھا اور دوسرے خلفاء بھی اس کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے ان کے درباروں میں کس طرح شعروشاعری پر تبصرے ہوتے تھے دوسرے اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔

اس عہد میں لسانیاتی علوم کے وضع کرنے کا دور شروع ہو چکا تھا، قرآن کریم کا مطالعہ اور غیر عرب کے عربی زبان سے شغف و دل چسپی، تحصیل ومطالعہ، شوق اور مہارت پیدا کرنے کے جذبہ نے صوتیات، لفظیات، نحویات اور معنیات پر تحقیق اور ان علوم کے وضع کرنے کے عمل کو آگے بڑھایا، ماہرین نے لغت، قواعد اور عروض کے نکات کو اول اول علمی شکل دینے اور اصطلاحات وضع کرنے کی کوشش کی، تنقیدی طور پر شعر کے محاسن ومعائب کی تلاش میں لغوی، صرفی، نحوی اور عروضی مسائل کو بھی زیر بحث لایا گیا۔ بالکل ابتدائی مرحلہ کے افراد اور ان کی سعی کا علم تو نہیں ہے، پھر بھی ان میں چند افراد جنہوں نے معمار اول کا کام انجام دیا ان میں یحیٰ بن یعمر، عیسی بن عمر، عبداللہ بن اسحاق الحضر ی اور ابوعمرو بن العلاء کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

3.13 عصر اموی کی تنقید کا اجمالی جائزہ

عہد اموی کی ادبی تنقید کا جب اجمالی جائزہ لیتے ہیں تو یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ شعر کے اوزان اور معانی پر اور اس کے بعض داخلی اور بعض خارجی عناصر پر تنقید کرنے کے علاوہ شاعر کے احساس وشعور پر بھی ناقدوں نے تنقید کی، شعر میں مختلف شعرا کے احساسات اور شعور کے مابین جو فرق تھا اس کو تلاش کرنے اور اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ اس عہد کی تنقید کی یہ خصوصیت ہے کہ اکثر شعر کے اسلوب، اوزان، ظاہری الفاظ اور معانی پر غور کرنے کے ساتھ شعور واحساس کے پہلو پر بھی غور کیا گیا اور اس کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی گئی محمود الحسینی المرسی رقم طراز ہیں:

''ہم تنقید میں ایک نئی روح پاتے ہیں۔ اس میں تحلیل وتفسیر کی روح

،معانی کا گہرا مطالعہ اور زبان واسلوب پر غور وفکر کی علامت پاتے ہیں‘‘۔

ابن ابی عتیق کو دیکھتے ہیں کہ جب وہ عمر بن ابی ربیعہ کے شعر کی تنقید کرتے ہیں، تو شاعر کے احساس اس کے قلب کی کیفیت اور اس کے نفسیاتی جذبات کو شعر میں تلاش کرتے ہیں اور شعر کی امتیازی کیفیت اس میں محسوس کرتے ہیں ،اخطل جب عمران بن خطان کو عبدالملک کے دربار میں سب سے بڑا شاعر کہتا ہے تو اس کے سامنے اس کے شاعرانہ امتیاز کا سبب صداقت احساس ہوتا ہے، محض الفاظ یا معانی کی خوبیاں ہی تفوق کے لیے کافی نہیں سمجھتا ہے اس دور میں شاعر کے جذبہ اور اس کے احساس میں صداقت کو ضروری سمجھنے کے علاوہ تکلف یا افتراء سے گریز بھی لازمی سمجھا گیا۔

شعر کے اس اہم اور بنیادی پہلو کو اس دور کے ناقدوں اور شعراء نے محسوس کیا کہ اگر شاعری میں صداقت احساس نہیں ہے تو اس کا وجدان اس کے احساسات کو بیدار نہیں کرتا ہے، اور شدت احساس شعر کہنے پر مجبور نہیں کرتا ہے، تو شاعر کے لیے محال ہے کہ وہ شعر کہے۔ جریر وفرزدق، ذوالرمتہ اور عمر بن ابی ربیعہ جیسے شعرا ایک شعر بھی کہنے پر قادر نہیں ہوتے جب تک ان میں شدت احساس کی بیداری کا کوئی سبب نہ ہوتا اور نفسیاتی طور پر ان میں کوئی وجہ نہ پائی جاتی۔ فرزدق کے متعلق کہا گیا ہے۔

3.14 معلومات کی جانچ

(۱) عصر جاہلی کی تنقید کے خصائص کا مختصر جائزہ لیجیے۔

(۲) اموی دور میں تنقید کے اہم مراکز کیا تھے ؟

(۳) دو اموی خلفاء کے نام تحریر کیجیے جو شعر وادب کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔

(۴) عبدالملک بن مروان کے تنقیدی ذوق کے بارے میں پانچ جملے تحریر کیجیے۔

(۵) شاعری کے بارے میں اسلام کا کیا نظریہ ہے؟

3.15 عصرعباسی اورتنقید

عہدعباسی علمی اور ثقافتی ترقی کی وجہ سے عہد زریں کہا جاتا ہے۔ اس عہد کی علمی وفکری تاریخ نے تہذیب وثقافت کی دنیا میں اس قدر ترقی کی تھی کہ دور جدید سے قبل دنیا نے انسانی عقل اور علم وفراست کی ایسی بلند پروازی اور فکری کاوش کبھی نہیں دیکھی۔ یونان وروم کی تہذیب اس سے قدیم تر ہے لیکن عہدعباسی میں ادب وفلسفہ اور علوم وفنون کا ایسا معیار قائم ہوا کہ رہتی دنیا تک اسے یاد کیا جائے گا۔ جدید علوم وفنون کی تعمیر وترقی ان ہی بنیادوں پر ہوئی اور ہوگی۔ زبان وادب سے متعلق علوم کی نشوونما اور ابتدا تو عہد اموی میں ہوچکی تھی۔ نحو، صرف اور بلاغت جیسے فنون جن کا تعلق زبان وادب کے بنیادی گوشوں سے تھا ان کے وضع کرنے کا کام شروع ہوگیا تھا لیکن ان کی تصنیف وتالیف عہدعباسی میں وجود میں آئے۔ چونکہ تصنیف وتالیف کا کام اس عہد میں ہوا، اس لیے ہر علم اور ہر فن بھی اسی عہد میں مستحکم ہوا، عربی تنقید کی فنی بنیاد بھی اسی سنہرے دور میں پڑی۔

3.16 راوی اورتنقید

عربی شعری سرمایہ کتابوں میں محفوظ ہونے سے قبل سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا۔ جب تدوین وتالیف کا دور شروع ہوا اور علمی کارناموں کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا جانے لگا تو شعری سرمایہ کی حفاظت کی غرض سے مختلف راویوں اور شعرو ادب کے قدردانوں نے اس کو بیاض کی شکل میں جمع کرنا شروع کردیا۔ اس کے کئی اسباب تھے۔ ایک وجہ یہ تھی کہ اشعار کو حفظ رکھنے کی صورت میں مختلف شعرا کے کلام میں خلط ملط ہوجاتا تھا۔ حافظے کی کمزوری کی وجہ سے ان میں تحریف بھی ہو جاتی تھی اور بعض راویوں نے اشعار بیان کرنے میں دیانت داری کا ثبوت بھی نہیں دیا، قبائل کے راوی آپس کے تعصب

کی وجہ سے کلام میں حذف و اضافہ بھی کرنے لگے۔ راوی اپنے قبیلہ کے شاعر کو ممتاز کرنے کی غرض سے دوسروں کے اشعار اس کی طرف منسوب کرنے لگے، تو شعری سرمایہ کو حذف و اضافہ تحریف اور انتحال سے محفوظ رکھنے کی غرض سے مختلف فن شناسوں نے شعرا کے کلام کا انتخاب جمع کیا۔ اگر سارا شعری سرمایہ جمع کیا جاتا تو سیکڑوں جلدوں میں ان کا سمیٹنا دشوار ہوتا۔ جمع کرنے والوں نے اپنے ذوق اور فن شناسی کی بنیاد پر صحیح اور عمدہ اشعار کا انتخاب کیا۔ انتخاب میں انہوں نے تحقیق وتنقید دونوں باتوں کو پیش نظر رکھا۔ ان کے سامنے آج کے ترقی یافتہ تحقیق وتنقید کے اصول نہیں تھے، انہوں نے خود ہی تحقیق وتنقید کے اصول مرتب کئے۔

جنہوں نے اشعار کا انتخاب کیا۔ ان میں سے اکثر نے تنقیدی تاریخی اسلوب اپنایا۔ شعرا کے مشہور ہونے کی وجہ، تاریخی اعتبار سے تقدم، معاشرہ اور سوسائٹی کا لحاظ کرتے ہوئے شعراء اور کلام کا انتخاب کیا۔ اس میں ان کا حسن ذوق اور معیار انتخاب بھی شامل تھا۔ ان کتابوں میں المفضل الضبی کی ''المفضلیات''، اصمعی کی ''الاصمعیات'' ابو زید قریشی کی ''جمہرہ اشعار العرب''، محمد بن سلام الجمحی کی ''طبقات فحول الشعراء'' اور ابن المعتز کی ''طبقات الشعراء'' شامل ہیں، تنقیدی مباحث کے نقطۂ نظر سے محمد بن سلام الجمحی کی کتاب کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

المفضل الضبی (متوفی ۱۷۵ھ) نے عربی قصائد کا انتخاب ''المفضلیات'' کے نام سے پیش کیا۔ اس میں تقریباً ۱۲۶ قصیدے ہیں۔ ان میں ۶۰ قصیدے ایسے شعراء کے ہیں جن کی پوری زندگی اسلامی عہد میں گذری، اور ۱۴ قصیدے ایسے شعراء کے ہیں جن کی زندگی کا بیشتر حصہ عہد جاہلیت میں گزرا لیکن ان کی وفات حالتِ اسلام میں ہوئی۔ ۴۷ قصیدے ایسے شعرا کے ہیں جن کا تعلق مکمل طور پر عہد جاہلی سے ہے۔ المفضل الضبی نے اشعار کے انتخاب میں حسن ذوق کا ثبوت دیا ہے، اس نے ان ہی قصائد کا انتخاب کیا جو اس کے ذوق سخن اور شعری معیار پر پورے اترتے تھے اور شاعرانہ محاسن کے حامل تھے۔ ان میں کوئی تنقیدی بحث تو نہیں ہے لیکن حسن انتخاب اس کے تنقیدی ذوق کا غماز ہے۔

3.17 محمد بن سلام الجمحی

ان تمام مؤلفین میں جنہوں نے عربی شعری سرمایہ کے تحفظ کے لیے جدوجہد کی اور شعرا کے تذکرے کے ساتھ عربی شعری سرمایہ کا حسین گلدستہ انتخاب کی شکل میں پیش کیا۔محمد بن سلام الجمحی (متوفی ۲۳۱ھ) کی خدمت کو سبقت حاصل ہے۔اس میدان میں ان کی کاوشیں اور تحقیقی وتنقیدی اصول ومباحث بہت ممتاز ہیں۔اور خاص قدر و قیمت کے حامل ہیں ،واقعہ یہ ہے کہ تنقیدی اصول کا پہلا بیج ابن سلام عربی زبان وادب میں ڈالا ہے اور تنقید بحیثیت فنی اصول کے ان کی تحریروں میں سب سے پہلے پائی جاتی ہے،ابن سلام کی انفرادیت پر بحث کرتے ہوئے طہ احمد ابراہیم رقم طراز ہیں:

> ''ہم ابن سلام پر بحث کے لیے جداگانہ باب قائم کرتے ہیں۔اس لیے نہیں کہ اس نے ایسی چیز پیش کی جس کو اس سے پہلے متقدمین یا معاصرین نے پیش نہیں کیا تھا اور ہم تاہی اس لیے کہ وہ ان افکار وآراء کو زیر بحث لایا جن کو اس کے علاوہ راویوں اور لغویوں نے نہیں چھیڑا تھا، بلکہ اس لیے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ان افکار کو منظم طور پر بحث کی شکل میں پیش کیا اور اس نے اس بات کو سمجھا کہ کس طرح ان کو پیش کیا جائے اور دلائل قائم کیے جائیں اور ان سے اپنی کتاب ''طبقات الشعراء'' میں ادبی حقائق واصول کا استنباط کرے۔''

ابن سلام الجمحی پہلے ناقد ہیں جنہوں نے اپنے معاصرین لغویوں اور شعر کی روایت کرنے والوں کے فنی،ادبی اور تنقیدی مباحث کو خالص علمی رنگ دیا،اس سے قبل کسی ناقد نے تنقید کو علمی شکل میں پیش نہیں کیا تھا۔ان کی کتاب کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انہوں نے شعرا کے سلسلے میں جن تنقیدی آرا کو نقل کیا ہے وہ محض نقل نہیں ہے۔یا

دوسرے معاصرین کی طرح محض ان آرا کو جمع نہیں کیا ہے، بلکہ ان میں خالص علمی رنگ پیدا کیا ہے اور مباحث کو خاص علمی تناظر میں پیش کیا ہے۔فنی اعتبار سے اس میں اضافہ بھی کیا ہے اور ادب وتنقید کے سلسلہ میں اس وقت تک جو رائے پائی جاتی تھی اور جو افکار وجود میں آئے تھے،ان میں اس نے نئی جہت تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

عربی تنقید جواب تک تنقیدی آرا کے نقل کرنے یا نصوص کی تحقیق تک محدود تھی،اس کا دائرہ وسیع ہوا۔صنعت لفظی اور کلام کے محاسن لفظی پر باقاعدہ علمی بحث کا آغاز ہوا۔شعر کے خارجی عناصر کے محاسن اور اسلوب کے جمالیاتی عناصر کا تجزیہ اور اس کی تشریح کے ساتھ اصطلاحات بھی وضع کرنے کا عمل سامنے آیا،المبرد اور ثعلب نے بلاغت کی بحث شروع کی۔بلاغت کے اصول تہذیبی وثقافتی معلومات کی بنیاد پر مرتب کئے اور شعر کی تنقید وتحسین کے لیے اور معانی کی خوبی کے اظہار کے لیے بلاغت کے ان اصولوں کو معیار قرار دیا۔

اس بات سے قطعی طور پر صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن کریم کا اسلوب جو اپنی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے تمام ادبی سرمایہ میں اپنی مثال آپ ہے اس کے اس معجزانہ اسلوب کے محاسن اور خوبیوں کی توضیح وتشریح کے نتیجہ میں علم البیان وجود میں آیا اور علم بلاغت نے جنم لیا۔قرآن کریم کے اسلوب میں جمالیاتی عناصر،سحر آفرینی،شگفتگی،رعنائی جمال،دل کشی اور دل آویزی کی فنی بحث کے ایجاد نے زبان وادب کے رمز شناسوں اور نکتہ دانوں کو بلاغت کی اصطلاحات اور ان کے فنی مفہوم کو پیش کرنے کا موقع فراہم کیا۔گرچہ زبان وبیان اور الفاظ ومعانی کی یہ بحث قرآنی آیات کے مطالعہ اور تشریح وتوضیح کے ساتھ شروع ہوئی تھی،لیکن اس کے اثرات شاعری اور نثر نگاری کی تنقید وتبصرہ پر بھی مرتب ہوئے۔ڈاکٹر بدوی طبانہ نے اسی خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ قرآن کریم کے موضوع پر جس قدر لکھا گیا ہے وہ بہت کم ہے۔اس پر غور وفکر اس کے معانی کے سمجھنے کی کوشش،اس کے اعجاز کا ثبوت اور کلام انسانی پر اس کا تفوق وبرتری ایک قبول عام بات ہے۔علما نے اس کے لیے عربی بلاغت میں بحث وتحقیق کی راہ کھولی۔اس کے لیے راستہ ہموار کیا۔

3.18 ابوعثمان عمرو بن بحرابی جاحظ

جاحظ(متوفی ۲۵۵ھ۹ جوفرقہ معتزلہ کے امام تھے،انہوں نے قرآنی اسلوب کی تفہیم کے لیے اسلوب کے جمالیاتی پہلو کا بھر پور جائزہ لیا۔زبان وادب کے باریک پہلوؤں پر غور کیا۔عقل وفکر اور فلسفہ سے تعبیرات وتراکیب اور الفاظ ومعانی کی امتیازی خصوصیات اور جملوں کی تحویل وتحلیل سے جوبھی بلاغت کے معانی پیدا ہوسکتے تھے اس نے پیدا کئے یا ط خالص علمی انداز میں بلاغت کے مسائل وضع کئے اوراور بلاغت کے مسائل واصطلاحات اس دور کے خالص ادبی تنقیدی اصول طے پائے،جاحظ میں جو تنقیدی بصیرت تھی،کسی بھی فن پارہ کو جانچنے پرکھنے کی صلاحیت تھی اور فن کے خارجی وداخلی حسن کو محسوس کرنے اور الفاظ میں اس کو بیان کرنے کی جو قوت تھی اس کی مثال اس دور کے کسی ناقد یا ادیب کی تحریر میں مشکل سے ملے گی۔ڈاکٹر محمد طاہر درویش لکھتے ہیں۔۔۔

> ''جاحظ ناقدوں کا سردار اور ادیبوں کا امام تھا۔۔۔۔ادبی تنقید اور اس
> کے اصول ومبادی وضع کرنے کی اس میں جو صلاحیت تھی اس سے کسی کو
> انکار نہیں ہوسکتا ہے''۔

جاحظ نے عبارت یا اسلوب کی رعنائی،شگفتگی،دلکشی اور حسن کے موضوع پر اپنی دو کتابوں"**البیــان و التبیــن**'' اور'' **کتــاب الــحیو ان** ''میں طویل بحث کی ہے،محاسن لفظی اور محاسن کلام کے نکات کو دلائل سے واضح کرنے کے ساتھ بلاغت کے گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔اگر چہ "**البیان و التبیین**''اور'' **کتاب الحیوان** ''خالص فن بلاغت یا تنقید کی کتابیں نہیں ہیں لیکن بلاغت کے مباحث جو ان کتابوں میں منتشر ہیں ان کو اگر جمع کر دیا جائے تو اس موضوع پر ایک بنیادی کتاب مرتب ہوسکتی ہے۔زبان وبیان کے جو مختلف اسالیب ہو سکتے ہیں فن بدیع یا بلاغت کی رو سے اس نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے لیکن جاحظ نے مثالیں دینے اور وضاحت کرنے پر زیادہ تر اکتفا کیا ہے۔اصطلاحات کی تعریف کی

طرف توجہ نہیں کی ہے۔قرآن کریم،احادیث نبوی،عربوں کے اشعار واقوال کے تجزیہ کے بعد جو اصول دریافت ہوئے ہیں،موضوع کے اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔جاحظ نے ایک ناقد کی حیثیت سے تنقیدی اصول پیش نہیں کیا اور نہ ہی مرتب طور پر کوئی تنقیدی بحث کی بلکہ جب اس کی تحریروں کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ جاحظ کی تحریروں میں ادبی تنقید کے مواد موجود ہیں اور اس کی تحریروں کے مباحث تنقید کے اہم مبادی کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس کے منتشر افکار وخیالات میں تنقیدی اصول کے بہت سے اہم گوشے پوشیدہ ہیں۔

ڈاکٹر بدوی طبانہ کی رائے ہے کہ:

''البیان و التبیین ''ادب کے فنون اور اس کی معلومات پر ایک انسائیکلو پیڈیا ہے اور وہ سب کچھ ہے جس مفہوم پر یہ لفظ حاوی ہے۔

یہ کہنے میں یہاں کوئی حرج نہیں کہ ''البیان والتبین'' کے مقابلہ میں کتاب ''الحیوان''میں اسلوب کے اقسام ،نوعیت اور کلام کے مختلف پیرایہ بیان کا ذکر زیادہ وسیع ہے۔ڈاکٹر شوقی ضیف کا کہنا ہے کہ:

''جاحظ کی گفتگو بلاغت کے اقسام کے متعلق اس کی کتاب ''الحیوان''میں زیادہ پر مغز اور زیادہ وسیع ہے بہ نسبت اس کی کتاب ''البیان والتبین'' کے۔''

3.19 ابو محمد ابن قتیبہ الدینوری

ابن قتیبہ (۲۱۳۔۔۔۲۷۶ھ) کی شخصیت علمی دنیا میں ایک مفسر،محدث،فقیہ،ادیب،ناقد،صرفی،نحوی اور لغوی کی حیثیت سے معروف ہے،مختلف علوم وفنون کے موضوع پر اس نابغۂ روزگار شخص کی تصنیفات وتالیفات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے لیکن ان سب میں علمی ذوق کے پہلو بہ پہلو ان کا ادبی مذاق اور تنقیدی شعور موجود ہے۔ان کی تحریر جس موضوع پر

بھی ہے اس میں قوت فکر، وسعت نظر، زندگی کا احساس، تہذیب وثقافت کے اقدار کی معلومات غیر معمولی حد تک پائی جاتی ہے اور ان کی تحریر میں زندگی کے لیے صحیح رخ متعین کرنے کا جذبہ ہر جگہ موجود ہے اور شعر وادب میں سچے اقدار کی تلاش اور معیار متعین کرنے کا رجحان کارفرما ہے۔ عبدالسلام رقم طراز ہیں:

''ابن قتیبہ کی تحریریں عام طور پر اس بات کی غماز ہیں کہ اس نے ان ہی علوم کو موضوع سخن بنایا ہے، جو انسان کے لیے مفید اور کارآمد ہونے کے ساتھ ساتھ زندگی میں تبدیلی اور انقلاب لانے کا کام انجام دے سکتی ہیں اس نے علم کی خدمت اپنی ذات کے لیے نہیں کی ہے، بلکہ اس سے انسانی زندگی میں تبدیلی اور فکری ترقی لانے کے لیے تعاون حاصل کرنا مقصود ہے ۔اس بات نے اس کی ذات اور علمی کارناموں کو اعلیٰ مرتبہ پر فائز کر دیا ہے۔''

جہاں تک ادبی تنقید کے موضوع کا تعلق ہے ابن قتیبہ کے ادبی مذاق اور شعری ذوق کو نمونہ تقریبا ان کی سب ہی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن شعر وادب کے موضوع پر ان کی چار کتابیں مشہور ہیں۔

(۱) **كتاب المعانى الكبير**

(۲) **ادب الكاتب**

(۳) **الشعر والشعراء**

(۴) **عيون الشعر**

مؤخر الذکر کے علاوہ سب ہی کتابیں دستیاب ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی کتاب خالص فن نقد پر نہیں لکھی گئی ہے۔ سب میں تنقید کا موضوع ضمنی ہے، لیکن جو تنقیدی مباحث ان کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور اصولی باتیں کی گئی ہیں ان میں ابن قتیبہ کا تنقیدی فکر نمایاں ہے۔ ادب وشعر پر جس دور میں ابن قتیبہ نے گفتگو کی صرف ونحو، بلاغت اور دوسرے علوم مدون ہو چکے تھے، یا ہو رہے تھے یونانی، فارسی اور دوسری زبانوں سے بلاغت اور دوسرے موضوعات کی کتابوں کے ترجمے ہو رہے تھے ان کے اثرات شعر وادب کے افہام وتفہیم اور غور وفکر پر بھی مرتب ہو رہے تھے۔ ابن قتیبہ کی تحریروں میں عجمی علوم وفنون کے واضح اثرات تو نہیں ہیں لیکن وقت کی تبدیلی کے ساتھ زندگی اور اس کی ترجمانی کی تبدیلی کا احساس

ضروری ہے اور شعر و ادب سے متعلق جو مباحث وجود میں آ رہے تھے ان پر اظہار رائے بھی ہے اس لیے اس کے ضمنی تنقیدی مباحث کو بھی ادبی تنقید کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔

ابن قتیبہ کی تنقیدی فکر تو واضح ہو کر اس کی کتاب ''الشعر والشعراء'' کے مقدمہ میں سامنے آئی ہے۔لیکن ''**کتاب المعانی الکبیر**'' میں بھی ادب و زبان اور تنقید کا ایک اچھا مطالعہ موجود ہے۔ابواب کے تحت اشعار کے انتخاب میں مضمون و معانی کا لحاظ اس کے علاوہ اشعار کے پیچیدہ اور دشوار مفہوم و معانی کی تحلیل و تفسیر اس کتاب کی خاص خوبیاں ہیں۔ابن قتیبہ کے سامنے یہ بات شاید ضرور رہی ہوگی کہ شعر زندگی کی تعبیر و تشریح کا دوسرا نام ہے۔اس لیے اس نے ابواب کے قائم کرنے اور پھر اشعار کے انتخاب میں زندگی کی تعبیر کا لحاظ، ماحول و حالات کی تصویر کشی، متحرک زندگی کا نمونہ پیش کرنے کی سعی کی ہے۔آداب زندگی، طرز معاشرت حیوانات اور زندگی کی دوسری باتوں سے متعلق اشعار کو جمع کرنے کے ساتھ تحلیل میں تنقیدی بصیرت اور تنقیدی اصول کی پیروی کی ہے۔عبدالسلام عبدالحفیظ رقم طراز ہے۔۔۔۔

''شعر میں زندگی کی جو تصویر کشی کی جاتی ہے اور شعر میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے، ابن قتیبہ نے اس کتاب میں اس کی عملی تفسیر پیش کی ہے۔''

اور بقول ڈاکٹر محمد طاہر درویش:

''وہ ایک عمدہ لغوی ادبی کتاب ہے۔ابن قتیبہ کی وسیع لغوی و ادبی معلومات اور ثقافت پر دلالت کرتی ہے''۔

3.20 ابوالعاس المبرود

ابوالعاس المبرود (۲۱۰-۲۸۶ھ) کی کتاب ''الکامل'' ایک ادبی گلدستہ ہے۔علم و ثقافت، تاریخ و تہذیب، لغت و قواعد قرآن و احادیث کی معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے، فن تنقید میں اس کتاب میں اہتمام کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور شعر کے موضوعات کا بھی ذکر کیا ہے، گویا کہ یہ شعرا کا تذکرہ ہے، المبرود نے ابن قتیبہ کی طرح شعری نظریے پر بحث کی

ہے، جاحظ کے البیان والتبیین کی طرح بلاغت پر روشنی ڈالی ہے، اور تنقیدی نظریے کا اظہار کیا ہے، لفظ و معنی کو زیر بحث لایا ہے، شعری سرقات کے علاوہ قدیم وجدید شاعری کے رجحانات کو بھی موضوع سخن بنایا ہے، اور اس عہد کے تنقیدی مباحث کو بھی ڈاکٹر احسان عباس رقم طراز ہیں:

''المبرد نے اپنے دور کے تنقیدی رجحانات کی جانب بھی توجہ کی ہے اور
اس وقت کے اہم جدید رجحانات میں سے شعری سرقات (کے موضوع)
کو بھی اپنایا ہے۔''

مبرد نے ''الکامل'' اور رسالہ میں جن تنقیدی نکات کو پیش کیا ہے ابن سلام الجمحی کے بعد یقیناً ادبی تنقید میں اضافہ ہے، سرقات شعری، لفظ و معنی اور بلاغت کے اصول پر بحث تنقیدی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں عام سے مبرد کو ناقدوں کے زمرہ میں نہیں شمار کیا جاتا ہے، لیکن اس نے جو سرمایہ ادبی تنقید کا جمع کیا ہے، اور رائے کا اظہار کیا ہے، ناقدوں کی صف میں اس لحاظ سے اس کو ضرور جگہ دی جاسکتی ہے۔

3.21 ابوالعباس احمد بن یحی بن زید الشیبانی ثعلب

ثعلب (متوفی ۲۹۱ھ) کی وفات جاحظ (متوفی ۲۵۵ھ) اور ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) کے بعد ہوئی، ڈاکٹر بدوی طبانہ کی رائے سے کہ فنی ادب کی قدر و قیمت معلوم کرنے کے لیے سب سے زیادہ ترقی یافتہ شکل کی بنیادوں ان فنی مسائل پر ہے، جن کو ''قواعد الشعر'' میں مرتب کیا گیا ہے اور اس کتاب کی تالیف ابوالعباس احمد بن یحی جو ثعلب کے نام سے مشہور ہے ان ہی نے کی ہے۔

لیکن ثعلب کی طرف اسی وقت یہ پوری بحث منسوب کی جاسکتی ہے جب کہ یہ تسلیم کرلیا جائے کہ قواعد الشعر ثعلب ہی کی تالیف ہے لوگوں کا گمام ہے کہ قواعد الشعر ثعلب کی تالیف نہیں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ ثعلب کے ادبی تنقیدی

اقوال جو کچھ بھی ہیں موجز اور مختصر ہیں اس لیے کہ دوران درس وہ کوئی تفصیلی یا تشریحی جائزہ نہیں لیتے تھے، اس کے برخلاف ''قواعد الشعر'' میں تشریح وتعلیل پائی جاتی ہے اس لیے احسان عباس نے کہا کہ جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ قواعد الشعر ثعلب کی تالیف ہے، جب ہی ثعلب کو ہم ناقدوں میں شامل کر سکتے ہیں۔

3.22 عبداللہ المعتز

عبداللہ المعتز (۴۷-۲-۲۹۶ھ) پہلا شخص ہے جس نے بلاغت کے فن کو منظم اور مرتب شکل میں پیش کیا، اس کی یہ پیشکش محض بلاغت کے موضوع پر خشت اول کی حیثیت نہیں رکھتی ہے بلکہ ادبی تنقید کے لیے بھی ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے اس کتاب نے عربی تنقید کو ایک نئی سمت دکھائی چوں کہ اس کے قبل تنقید کے دو دھارے تھے، ایک تو ان اہل علم اور روایوں کا تھا جو فن پارہ کی خارجی بنیادوں پر تنقید کرتے تھے صرفی ونحوی غلطیوں کی نشان دہی کرتے تھے، الفاظ کے استعمال معانی کی صحت اور تراکیب پر غور کرتے تھے ان کا تنقیدی فیصلہ کسی بھی فنی ادب کے لیے یہیں تک محدود ہوتا تھا۔

ابن معتز کی کتاب ''البدیع'' نے تنقید کو ایک نئے دور میں داخل کر دیا، افکار ومعانی پر غور وفکر نے اسلوب کے دائرہ میں محض نحوی وصرفی غلطیوں کی نشان دہی کے دائرہ سے نکال کر تنقید کو اس کے وسیع مفہوم میں شامل کیا بعض فنی وادبی جمالیاتی روح کی تلاش اور ادبی تعبیرات کے حسن کا تجزیہ اور اس تحلیل، تنقید اساس بن گئی، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد رقم طراز ہے۔

عبداللہ ابن معتز نے جن فنی محاسن کا ذکر کیا، وہ شعر وادب کی تنقید کے لیے معیار قرار دیے گئے اس کے عہد اور اس کے بعد کے عہد میں ناقدوں نے ان فنی نکات کو عملی تنقید کے لیے اصول کی حیثیت سے استعمال کیا اور ان کی روشنی میں

شعروادب کے پیمانے مقرر کیے، شعرا کے کلام کا جائزہ لیا اور ان کے مرتبے متعین کیے ناقدین اور بلاغت کے ماہرین نے بعض اصطلاحات کی تشریحات جن کو ابن معتز نے متعین کیا تھا، ان کے اختلاف بھی کیا اور بعض اصطلاحات کو دوسرے الفاظ سے تعبیر کیا، غرض کہ ابن معتز نے فنی محاسن کی جو داغ بیل ڈالی اس نے تنقید اور بلاغت کے میدان میں خوب ترقی کی۔

تیسری صدی ہجری میں جن ناقدین نے فنی ذوق اور مطالعے کی بنیاد پر تنقیدی اصول کی بنیاد رکھی اور شعر و شاعری کے نظریات واصول پیش کیے، ان میں ابوالحسن محمد بن احمد بن ابراہیم طباطبا (متوفی ۳۲۲ھ) کے تنقیدی اور شعری نظریات نہایت اہمیت کے حامل ہیں، اس نے موضوع پر کئی کتابیں تصنیف کیں، لیکن اس کی کتاب ''عیار الشعر'' عربی شاعری کے معیار و مسائل پر اہم اور بنیادی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے، اس نے اس کتاب میں شعروادب کا گہرا فنی جائزہ پیش کیا ہے، باریک بینی وقت نظر اور فن شناسی کے جوہر سے کام لے کر شعروادب اور فن کا نہایت جامع تصور پیش کیا ہے اس دور کے اعتبار سے اہم تنقیدی مبادیات فراہم کرتے ہیں۔

معتقدین کے مقابلے میں اس کی فکر میں زیادہ وسعت ہے اس کا احساس زیادہ قوی اور اس کے ایمان وایقان میں زیادہ پختگی ہے۔

3.24 ابن طباطبا

ابن طباطبا قصیدہ کی وحدت کا تصور اس طرح پیش کرتا ہے کہ جیسے کوئی آرٹسٹ یا فنکار کسی تصویر کی تصویر کشی کرنے میں رنگوں کو حسن ترتیب سے استعمال کرتا ہے اور ہر ایک رنگ کو اس طرح منقش کرتا ہے کہ وہ تمام رنگ مل کر آنکھوں کو نہایت حسین لگتے ہیں، اس میں ایک وحدت محسوس ہوتی ہے اور وحدت پائی جاتی ہے یا جوہری موتیوں کو خوب صورت انداز سے لڑی میں پروتا ہے اور اس میں وہ ایک وحدت محسوس ہوتی ہے، ابن طباطبا وحدت قصیدہ کے تصور کو اس طرح

دلیل دیتے ہوئے پیش کرتا ہے کہ سب سے بہتر شعر وہ ہے جس میں بات سلیقہ سے کہی جاتی ہے اور ابتدا سے آخر اس میں حسن ترتیب پائی جاتی ہے اگر کسی شعر کو کسی شعر پر متقدم یا متاخر جائے تو معنی میں خلل پڑ جانے پورے قصیدہ کے اشعار میں اس طرح ربط ہے کہ ایک ہی لفظ محسوس ہو اور مابعد کا شعر ماقبل کے شعر کے بغیر ناقص ہو، اور ہر ایک شعر دوسرے کے لیے لازمی جزء کی حیثیت رکھے۔

ابن طباطبا نے شعر پر تنقید کے لیے جن بنیادی اصول کو اپنی کتاب عیار الشعر میں بیان کیا، ان میں سے بعض اہمیت کے حامل ہیں، قصیدہ میں وحدت کی تلاش، معنوی صداقت، لفظ و معنی کا باہمی ربط، مانی میں جمالیاتی عناصر کی تلاش اس کے تنقیدی مباحث کے اہم عناصر ہیں، اور عربی تنقید میں اہم گوشے کی تلاش ہے اس کی تحریر میں تنقید اور بلاغت کے اصول میں اختلاط پایا جاتا ہے، تشبیہ، استعارے اور دوسرے بلاغت کے موضوعات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے لیکن تنقید کے دائرہ میں شعر کی معنوی کیفیت پر تشبیہات کس طرح اثر انداز ہوتی ہیں شعر کے معنی میں اس سے کیا جمالیاتی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اس تنقیدی بحث کے ساتھ بلاغت کے نکات زیر بحث آتے ہیں اس لیے بلاغت تنقید کا ایک جز بن گئی ہے اور دونوں میں باہمی رشتہ قرار دیا ہے، ابن طباطبا نے دونوں میں کوئی تفریق نہیں کی ہے اور بلاغت پر الگ سے کوئی بحث نہیں کی ہے۔

3.25 عربی تنقید کے اہم مباحث

جاہلیت ہی کے زمانے سے عرب ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ لبید سے اس بارے میں ایک شخص نے سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ سب سے بڑا شاعر امرؤالقیس ہے، اس کے بعد طرفہ ہے اور طرفہ کے بعد میں ہوں۔ جریر، جاہلیت کا سب سے بڑا شاعر زہیر کو سمجھتا تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نابغہ ذبیاتی کو شاعر اعظم خیال کرتے تھے۔ ابن ابی اسحاق شاعر اعظم مرقش کو سمجھتے تھے۔ فرزدق نے امرؤالقیس کو شاعر اعظم بتایا ہے۔ حضرت عمر بن

الخطاب زہیر کو شاعر اعظم تصور کرتے تھے۔

اصل میں عربوں کے پاس شاعر اعظم کی تعین کے لیے کوئی معیار متعین نہ تھا، بلکہ ہر ناقد اپنے اپنے خیال سے مسئلہ پر اظہار رائے کرتا تھا اور اس سلسلے میں دلیل نہیں دی جاتی تھی۔ اگر کوئی دلیل پیش بھی کرتا تھا تو بہت دلچسپ انداز میں۔ مثلاً اس طرح کہتا کہ فلاں شاعر تمام لوگوں سے بڑا شاعر ہے، اس لیے کہ اس نے ایسے اچھے شعر کہے ہیں اور پھر ان اشعار کو نقل کر دیتا تھا۔ یعنی دو چار اشعار کے پسند آنے پر پرا سے سب سے بڑا شاعر قرار دینے میں عرب ناقدین کوئی تکلف محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ابھی ایک شاعر سے کہا کہ تم سب سے بڑے شاعر ہو۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں ایک دوسرے شاعر کا کوئی شعر پسند آ گیا، تو اس سے کہہ دیا، کہ تم شاعر اعظم ہو۔ طہ حسین اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ عربوں کے پاس کوئی معیار نہ تھا بس یوں ہی کہہ دیا کرتے تھے۔ لیکن اس کے برعکس احمد بدوی رقم طراز ہیں کہ اس طرز سے کسی کے کلام کی اگر کوئی ناقد تعریف کرتا ہے تو اس کا ایک مخصوص مفہوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ناقد کے خیال میں شاعر اس مخصوص معنی کے سلسلہ میں شاعر اعظم ہے۔ یعنی اس مفہوم کو کسی شاعر نے کبھی اتنے اچھے اور دلکش انداز سے پیش نہیں کیا ہے۔

عربوں میں ابوتمام اور بحتری کی فضیلت کے بارے میں اختلافات ہوئے۔ پھر متنبّی کے بارے میں بھی اس طرح کے مسائل پیش آئے۔ عرب ناقد اس انداز سے سوچتے رہے کہ کون شاعر کس سے بہتر ہے؟ اس اختلاف کا نتیجہ عربوں کی تنقید میں دو اہم کتابیں ہیں۔ ایک آمدی کی کتاب ''الموازنۃ بین ابی تمام والبحتری'' ہے اور دوسری الجرجانی کی الوساطۃ میں المتنبی وخصومہ ہے موازنہ عربوں کی تنقید کا بنیادی عنصر رہا ہے۔ عرب ناقد موازنہ دو شاعروں میں بھی کرتے تھے۔ آمدی نے ابوتمام اور بحتری کی شاعری کا موازنہ کیا ہے اور ان کے یہاں جس قدر خصوصیات بھی مل سکتی تھیں ان کو تلاش کر کے ان کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ اسی طرح ان کے شاعرانہ عیوب کو بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن قاضی جرجانی نے متنبّی کا مقابلہ ہر اس عرب شاعر سے کیا ہے جہاں ان کو کوئی مناسبت نظر آئی ہے۔ قاضی جرجانی نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اگر متنبّی نے غلطیاں کی ہیں تو دوسرے عرب شعرا بھی اسی طرح عیوب میں مبتلا ہیں۔ بہر حال

مذکورہ دونوں ناقدوں نے عربی تنقید کی دو پہلوؤں سے بڑی خدمت کی ہے۔ایک تو یہ کہ ان لوگوں نے عملی تنقید میں حصہ لیا اور عملی طور پر شعر کے کلام کا موازنہ کر کے دکھایا۔ دوسری جانب ان بحثوں سے موازنہ عربوں میں ایک فن قرار پایا اور اس کے اصول وضوابط مرتب ہوئے۔اس سلسلے میں مندرجہ ذیل شرائط موازنہ پر تقریباً تمام ناقدین کا اتفاق ہے:

۱۔ کسی شاعر کو دوسرے سے بڑا اس وقت تک قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ دونوں کے درمیان ایک ایک پہلو اور معنی کا موازنہ نہ کیا جائے۔

۲۔ فیصلہ میں ذوق لطیف سے کام لیا جائے اور تعصب کو دخل نہ دیا جائے۔

۳۔ گذشتہ مصنفین وناقدین کی آرا سے بصیرت حاصل کی جائے۔

۴۔ جن دو شعرا کے درمیان موازنہ مقصود ہو ان کے عیوب کو چھپانے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ بلا کم وکاست ان کا ذکر کیا جائے۔

۵۔ جو کچھ دوسرے شاعروں نے کہا ہے اس کا تفصیلی موازنہ کیا جائے۔

3.25.1 لفظ ومعنی

الفاظ فضل ہیں یا معانی، بہ الفاظ دیگر یہ مسئلہ عربی تنقید کے بنیادی مسائل میں سے ہے کہ کلام میں حسن کا مرجع الفاظ ہیں یا معانی۔سب سے پہلے جاحظ نے یہ بحث تیسری صدی ہجری میں اٹھائی اور کہا کہ معانی تو شہری، دیہاتی جاہل اور عالم سبھی کو معلوم ہوتے ہیں۔اصل حسن الفاظ کے انتخاب ان کی ترتیب اور ان کے قالب میں پوشیدہ ہے۔جاحظ دوسری خصوصیت لفظ کی یہ بتاتے ہیں کہ الفاظ کی چوری ممکن نہیں اور اگر کوئی کسی کے الفاظ کا سرقہ کرتا ہے تو وہ چھپ نہیں سکتا۔لیکن جو معنی کا سرقہ کرے اس کی شناخت ممکن نہیں۔

یہ بات صحیح نہیں ہے کہ جاحظ نے معنی کی ضرورت وعظمت سے انکار کیا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے انہوں نے کہا ہے اگر

معانی بلند ہیں تو الفاظ کی بلندی وعظمت درکار ہے اور اگر معانی کم درجہ کے ہوں تو پھر الفاظ بھی اس کی مناسبت سے ہونے چاہییں۔

داؤد سلام لکھتے ہیں کہ لفظ و معنی دونوں کا رتبہ جاحظ کی نظر میں برابر تھا۔ وہ ابو ہلال العسکری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عسکری نے جاحظ کے خیالات سے تاثر قبول کیا مگر انہوں نے الفاظ کی فضیلت پر زور دیا جو جاحظ کے نظریہ سے موافق وہم آہنگ نہیں۔ داؤد سلام کا یہ نظریہ صحیح نہیں معلوم ہوتا اس لیے کہ جاحظ پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ اصل خوبی الفاظ کی ترکیب اور اس کے قالب میں ہے نہ کہ معنی میں۔ بالکل یہی نظریہ ہے جو ابو ہلال عسکری نے پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ اپنی کتاب ''سر الصناعتین'' میں پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ شعر اور ادب کی فنی عظمت کا دارومدار الفاظ پر ہے کہ معنی اور الفاظ ہی کی بنیاد پر ایک شاعر کو دوسرے پر ترجیح دی جاتی ہے۔ باقی جاحظ کی وہ عبارت جس میں وہ خراب معانی کے لیے خراب الفاظ اور اچھے معانی کو اچھے الفاظ استعمال کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اس سے الفاظ اور معانی کی برابری ثابت نہیں ہوتی۔ میرے خیال میں وہ ایک الگ مشورہ ہے، جو اس بحث سے متعلق نہیں کہ عبارت میں حسن کا مرجع الفاظ ہیں یا معانی۔ عسکری نے اس سلسلے میں جو کچھ کہا ہے وہ بلا کسی شبہ جاحظ کے نظریے کی تائید ہے۔ عسکری اس سلسلے میں ایک دلیل کا اضافہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معانی کو سمجھانے کی صلاحیت تو ردی الفاظ میں بھی ہوتی ہے۔ اس لیے فن کی عظمت، الفاظ کی رونق، مطالعے کا حسن، کلام کی ابتدا و انتہا کی خوبی، ان تمام اشیا کا حسن اس پر مبنی ہے کہ شاعر یا ادیب الفاظ پر کتنی قدرت رکھتا ہے۔ اس طرح کلام کے اکثر اوصاف کا تعلق الفاظ سے رہ جاتا ہے نہ کہ معانی سے۔

عبدالقادر جرجانی نے پانچویں صدی ہجری میں اس نظریے کے خلاف آواز اٹھائی اور بتایا کہ یہ تصور ہی غلط ہے کہ معانی تو ہر شخص کو معلوم ہیں خواہ وہ جاہل ہو یا دیہاتی ہو۔ واقعہ یہ ہے معانی کی جدت ہی مرجع حسن ہے۔ ایک عبارت دوسری عبارت سے محض اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ وہ معانی کے اعتبار سے زیادہ جاندار ہوتی ہے۔

انہوں نے اپنی دو کتابوں ''دلائل الاعجاز'' اور ''اسرار البلاغۃ'' کا بنیادی مقصد ہی یہ ثابت کرنا قرار دیا کہ جس قدر کلام کی خوبیاں ہیں سب کا مرجع معانی ہیں اور خصوصاً معانی کی حسن ترتیب میں کشش پوشیدہ ہے۔ ایک موقع پر وہ رقم طراز

ہیں کہ اگر کوئی صاحب بصیرت اور رموز کلام سے آشنا کسی ادبی تخلیق کی تعریف کرتا ہے تو وہ کہنا ہے کہ کتنے شیریں الفاظ ہیں کتنی عمدہ اور سلیس عبارت ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ناقد اس عبارت میں حروف کے ترنم یا اس کے ظاہری پہلو کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ بلکہ اس کا مقصد ظاہر ہے کہ اس عبارت کے حسن وخوبی کی ایک کیفیت اپنے اندر وہ محسوس کرتا ہے۔ اس کا دل اور اس کی عقل دونوں اس حسن باطن سے مخطوظ ہوتے ہیں جو اس شعر یا نثر کے قطعہ میں ماورائے الفاظ پوشیدہ ہے

3.25.2 جدت وقدامت

تیسری صدی ہجری سے عربی تنقید میں ایک نئے اختلاف کا آغاز ہوا۔ اکثر ناقدین اس دور میں یہ سمجھتے تھے کہ قابل تحسین شعرا دور جاہلی ہی کے ہیں۔ وہ اپنے معاصر شعرا کو قابل حجت تصور نہیں کرتے تھے۔ گویا محض ''قدامت'' اچھے شاعر ہونے کی دلیل بن گئی تھی۔ ابوعمرو کا کہنا تھا کہ اگر اخطل نے ایک دن بھی جاہلیت کا پایا ہوتا تو میں اس پر کسی شاعر کو ترجیح نہ دیتا۔

هل الی نظرة الیک سبیل

فییل الصدا ویشفی الغلیل

ان ماقل منک یکثر عندی

و کثیر ممن تحب القلیل

(کیا ایک نظر کسی صورت سے ممکن ہے تا کہ تشنہ لبی کا مداوا ہو سکے۔ تمہاری طرف سے تھوڑا بھی میرے لیے بہت ہے اور تمہاری تھوڑی محبت بھی بہت زیادہ ہے۔)

اصمعی نے کہا یہ شاندار اور پرکیف اشعار کس کے ہیں؟ یہ تو بڑے نرم ونازک ہیں! موصلی نے جب ایک

جدید شاعر کا نام لیا، فوراً ہی اصمعی نے کہا اسی وجہ سے تکلف ان اشعار میں نمایاں ہے۔

اس غلط انداز فکر کے خلاف ابن قتیبہ نے پہلی بار اپنی کتاب ''الشعر والشعرا'' میں آواز اٹھائی اور صاف الفاظ میں لکھا کہ جدت اور قدامت فن کا معیار نہیں ہوتے۔ خدا نے فن وشعر کو کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں کیا ہے۔ جو شعر جس فنی عظمت کا مستحق ہے وہ اس کو ملنی چاہیے۔ خواہ اس کا کہنے والا قدیم ہو یا جدید۔

تعجب تو یہ ہوتا کہ ابن خلدون کے زمانے تک قدما کے اشعار کو لوگ بہتر سمجھتے تھے۔ خود ابن خلدون کا خیال یہ تھا کہ متنبّی اور ابوالعلاء المعری شاعر تھے۔ اس لیے کہ دونوں نے عربوں کے مخصوص اسالیب کی اتباع نہیں کی۔

3.25.4 حسن الفاظ

تمام عرب ناقدوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ الفاظ ایسے استعمال کرنے چاہییں جو شیریں ہوں، تاکہ شعر میں سلاست پیدا ہو۔ ابن المعتز کہتے ہیں کہ اشعار کو اتنا رواں ہونا چاہیے اور شیریں بھی جیسے آب رواں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ سخت الفاظ شعر کو خراب کر دیتے ہیں۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اشعار کو آسان الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کو تعقید سے بچانے کی بہت زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ وہ ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ کلام کو اتنا آسان ہونا چاہیے کہ وہ عوام کی فہم سے قریب تر ہو جائے۔ قدامہ ابن جعفر الفاظ کے حسن کے بارے میں لکھتے ہیں۔ کہ الفاظ کو آسان ہونا چاہیے۔ ان میں فصاحت کی رونق ہونی لازمی ہے۔ کوئی ایسی چیز نہ ہو جس سے اشعار کی خوبصورتی میں فرق آئے۔ قاضی جرجانی نے لکھا ہے کہ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ شعر میں شیرینی۔ تکلف نہ ہو۔ طبیعت کو شاعری میں آزاد چھوڑ دینا مناسب ہے۔ ابوبکر باقلانی کا خیال ہے کہ کلام کو غریب اور وحشی الفاظ سے پاک ہونا چاہیے۔ اس طرح کہ جب سامع اس کو سنے تو وہ دل میں اتر جائے اور لذت محسوس ہو۔ لیکن اگر اس طرز کا کلام وہ خود کہنا چاہے، تو وہ اس کو اس قدر دور نظر آئے، جس قدر دور ستارہ پکڑنے والے کے ہاتھ سے ستارہ ہوتا ہے۔ عبدالقادر جرجانی ایسے الفاظ استعمال کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، جو لوگوں

کے درمیان متعارف ہوں اور ان کے استعمال میں کوئی اجنبیت محسوس نہ ہوتی ہو۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مشکل پسندی اور تعقید کلام کو بے لطف بنانے کی راہ ہے۔ اس لیے کہ تعقید میں الفاظ و معانی کے درمیان تناسب و مطابقت باقی نہیں رہ جاتی۔ اس لیے یہ معلوم کرنے میں دقت پیش آتی ہے کہ اس کلام کا اصل مقصود کیا ہے اور جب غور و فکر کے بعد معانی تک رسائی بھی ہوتی ہے تو وہ بدشکل ہو کر سامنے آتے ہیں۔

3.25.5 حسن تالیف

آمدی نے حسن تالیف پر خاص زور دیا ہے اور بتایا ہے کہ اگر الفاظ کا دروبست عمدہ ہو، تراکیب میں پختگی ہو، تو معانی میں خود بخود وضاحت پیدا ہو جاتی ہے۔ حسن تالیف کلام کی رونق و کشش کو بڑھا دیتی ہے۔ ابو ہلال عسکری کا خیال ہے کہ ادیب و شاعر کو جس صنعت کی سب سے زیادہ ضرورت پیش آتی ہے۔ وہ ''حسن تالیف'' ہے۔ یعنی الفاظ اور جملوں کو حسن ترتیب سے پیش کرنا۔ انہوں نے اس سلسلے میں ''حسن وصف'' کو بھی بہت اہمیت دی ہے۔ وہ ''حسن وصف'' کی تشریح یہ کرتے ہیں، کہ الفاظ اپنے محل و مقام پر اس طرح رکھے جائیں کہ کلام میں تقدیم و تاخیر نہ ہونے پائے۔ ان اثیر نے ہر کلمے کا تعلق دوسرے کلمے سے قائم کرنے کو ایک اہم موضوع قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ نظم و نثر دونوں میں کلمات کا باہمی نظم بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کلام میں اس وقت تک حسن پیدا نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس میں حسن تالیف نہ ہو۔ اس سلسلے میں باقلانی کی رائے یہ ہے کہ شعر کی حلاوت ایک لفظ کی زیادتی یا کمی سے کالعدم ہو جاتی ہے او رذرا سی کمی یا زیادتی سے شعر کی رونق بدرونقی سے اور حسن، قبح سے بدل جاتا ہے۔

عبدالقادر جرجانی رقم طراز ہیں کہ ایک کلمہ ایک جگہ تو بہت اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن وہی کلمہ دوسری جگہ بہت نامناسب ہو جاتا ہے۔ شاعر کو اس سلسلے میں خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ حسن شاعری ضائع ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔

ان آراوافکار سے محسوس ہوتا ہے کہ عرب، نظم اور اتساق کلام کے بہت زیادہ دل دادہ تھے اور واقعہ یہ ہے کہ حسن تالیف کلام کی بنیادی خوبیوں میں سے ایک بہت اہم خوبی ہے۔

3.25.6 صنعت وطبع

ابن قتیبہ نے شعرا کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ایک ''مطبوع''، یعنی فطری شاعر دوسرا ''متکلف''، یعنی وہ شاعر جو کدو کاوش سے شاعری کرتا ہو۔

ابو ہلال عسکری کہتے ہیں کہ شعرا کی ایک جماعت ایسی ہے جو مہذب و منقی شعر پسند کرتی ہے جس پر بار بار نظر ثانی کی گئی ہے اور اس کو خوب کاٹ چھانٹ کر ٹھیک کیا گیا ہو۔اس جماعت میں زہیر بھی تھے جو ایک قصیدہ چھ ماہ میں کہتے تھے اور پھر چھ ماہ میں اس کی نوک پلک درست کرتے تھے۔یہ قصائد عربی شاعری میں ''الحولیات'' کے نام سے مشہور ہیں۔ بعض ناقدوں نے کہا ہے کہ بہتر شعر ''حولی'' ہوتا ہے، یعنی وہ شعر جس پر پورا سال صرف کیا گیا ہو۔قاضی جرجانی کی نظر میں شاعری کے لیے سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ تکلف کو بالکل چھوڑ دیا جائے اور طبیعت جدھر لے جائے وہی بات کہی جائے۔

عبدالقادر جرجانی نے لکھا ہے کہ کلام ''مطبوع'' اور ''مصنوع'' ہوتا ہے جو کلام بناوٹی ہوتا ہے اس کی رونق عارضی ہوتی ہے اور زمانے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔لیکن جو فطری ہوتا ہے، اس کی رونق ہمیشہ باقی اور قائم رہتی ہے۔ابن رشیق نے اس بارے میں بڑی جچی تلی رائے کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ شاعر اس وقت تک اپنے فن مین جاذق و ماہر نہیں ہوسکتا جب تک بار بار اپنے کلام کو نہ جانچے۔ردی کلام کے ساتھ اس کو ذرا بھی ہم دردی نہیں ہونی چاہیے اور خراب کلام کو قلم زد کر دینا چاہیے۔جب تک کلام پر بار بار نظر ثانی نہیں کی جائے گی، اس میں خامیاں رہ جائیں گی۔

جو تنقیدی خیالات اس مسئلے میں پیش کیے گیے ہیں۔ان میں بادی النظر میں اختلاف محسوس ہوتا ہے۔مگر ان

میں ایک قسم کی مطابقت بھی پائی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ اس پر تمام عرب ناقدوں کا اتفاق ہے کہ جس نثر یا نظم میں ''تکلف'' ظاہر ہوتا ہے وہ ناپسندیدہ ہے لیکن اس طرح شعر کو ٹھیک کرنا کہ اس میں کوشش کا اثر نمایاں نہ ہو۔ اکثر عرب ناقدوں کے نزدیک مستحسن ہی نہیں ضروری ہے۔ جیسا کہ ان کے مذکورہ خیالات سے ظاہر ہوتا ہے۔

3.25.7 وحدت قصیدہ

قصیدہ کی وحدت پر عرب ناقد مختلف الرائے نظر آتے ہیں۔ ابو ہلال عسکری کی نظر میں کلام کی ساری رونق اس کے مختلف اجزا سے تناسب کی وجہ سے وجود میں آتی ہے۔ اگر یہ اجزا باہم مختلف ہو جائیں، اور اس کا ہر جز دوسرے جز سے الگ ہو جائے تو پھر کلام میں حسن باقی نہیں رہے گا۔ ابن سنان خفاجی رقم طراز ہیں کہ قصیدے کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ اس کے تمام اجزا ایک دوسرے سے متعلق و مربوط ہوں، اول و آخر میں ایک اتحاد کی کیفیت ہو اور دونوں علیحدہ نہ ہونے پائیں۔ باقلانی نے بڑی عمدہ بات لکھی ہے کہ شعر کا بنیادی مطالبہ یہ ہے کہ وہ موزوں ہو اور اس کے سارے اجزا برابر ہوں۔

ابن رشیق نے غالباً اس موضوع پر بہت ہی قابل قدر رائے کا اظہار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قصیدے کی مثال ایک انسان کے جسم کی سی ہے۔ جس طرح انسان کے جسم میں باہم اس کے تمام اجزا مربوط ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح قصیدے کے تمام اجزا ایک دوسرے سے مربوط ہونے چاہییں جس طرح جسم کا حسن ایک عضو کی خرابی سے ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح قصیدے میں کسی جزو کی نامناسبت اس کی رونق کے خاتمے کے لیے کافی ہے۔ اکثر اہل نظر اس حقیقت سے آشنا ہیں اور اس طرح وہ اپنے قصائد کو مختلف نقائص سے بچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

3.25.8 سرقۂ شعری

سرقۂ شعری عربی تنقید کے بنیادی مسائل میں سے ہے۔سرقات شعری کا مسئلہ دراصل ابوتمام کی شاعری سے پیدا ہوا۔ابوتمام نے نئے مضامین اور فلسفیانہ خیالات کو اپنی شاعری میں جگہ دی۔جس کی وجہ سے عرب ناقدوں گروہوں میں تقسیم ہو گیے۔ایک طبقہ ابوتمام کے موافق ہو گیا۔اور دوسرا ان کا مخالف بالکل یہی صورت متنبّی کی شاعری کے ساتھ پیش آئی۔چوں کہ عرب اس اسلوب شاعری سے واقف نہ تھے جس میں فلسفیانہ افکار ہوتے ہیں،اس لیے انہوں نے عام طور سے اس کی برائی کی۔علم بدیع کا چرچا بھی ابوتمام کی شاعری سے پیدا ہوا۔سب سے اہم الزام اس سلسلے میں یہ ہے کہ ابوتمام اور متنبّی نے قدیم جاہلی شعرا کے مضمون چرا لیے ہیں۔ان کے اپنے مضامین کچھ نہیں ہیں۔آمدی نے لکھا ہے کہ ابوتمام کے اکثر اشعار چوری کے ہیں۔عصر عباسی کے اوائل میں یہ مرض عام ہو چکا تھا کہ ناقد شاعر کے اشعار پر نظر ڈال کر یہ دیکھتا تھا کہ کہیں اس مفہوم سے ملتا جلتا کوئی دوسرا مفہوم تو کسی دوسرے شاعر کے یہاں نہیں ہے،اگر ذرا بھی مماثلت پائی جاتی تو فوراً کہہ اٹھتا کہ یہ شعر اس شاعر نے فلاں شاعر سے چرایا ہے۔بعد میں عرب ناقدوں نے اس طرز فکر کی غلطی کو محسوس کیا اور انہوں نے صاف الفاظ میں اس خیال کا اظہار کیا کہ سرقہ مشترک معانی میں ممکن ہی نہیں،البتہ اگر کوئی خود اپنے طور پر کوئی معنی اخذ نہیں کرتا ہے تو اس کے معنی کو سرقہ کر لینا دراصل سرقہ کے صحیح مفہوم کو ادا کرتا ہے۔عسکری لکھتے ہیں کہ بغیر ان معانی کو متقدمین سے لیے شاعر کو چارۂ کار نہیں جو عام طور سے استعمال ہی ہوتے ہیں۔البتہ اتنی بات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ نئے الفاظ کا قالب معروف معانی کو پہنایا جائے۔ان کی تالیف و ترکیب میں جدت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔جو کسی معنی کو اس کے لفظ کے ساتھ لے لے تو وہ سارق ہے،اگر کچھ الفاظ لے کر اس کو اپنا لے تو اس کا اصطلاحی نام ''سالخ'' ہے اور جو کوئی معنی لے کر اس کو اپنے الفاظ میں نئے قالب کے ساتھ پیش کرے تو وہ پہلے شخص سے زیادہ اس معنی کا مستحق ہے۔

3.25.9 مسئلہ انتحال

انتحال کا تعلق اگر چہ براہ راست عربی تنقید سے نہیں ہے، مگر پھر بھی یہ دل چسپی کا باعث ضرور ہے، کیوں کہ اس سے بہت سے دلچسپ مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ انتحال کا مطلب یہ ہے کوئی شاعر خود اشعار کہہ کر دوسرے کی جانب منسوب کر دے۔ ابن سلام نے لکھا ہے کہ جب اسلام عربوں میں پھیلا اور تہذیبی کیفیت پیدا ہوئی تو انہوں نے اپنے اپنے خاندانی مفاخر تلاش کیے۔ بعضوں کو کچھ بھی نہ ملا تو انہوں نے اپنے خاندانی مفاخر کے بہت سے قصے گڑھ کر کسی شاعر کی جانب منسوب کر دیے۔

اسی بنا پر ڈاکٹر طہ حسین نے اکثر جاہلی ادب کو ''منحول'' یعنی عصر عباسی میں گڑھا ہوا قرار دیا۔ اگر چہ اس تصور کی تمام عرب ناقدین نے کھل کر مخالفت کی۔

3.25.10 صدق وکذب کا مسئلہ

عربی شاعری کی تنقید میں صدق وکذب کا مسئلہ بنیادی مسائل میں سے ہے۔ اس میں دو نقطۂ نظر پائے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ ''خیر الشعر اصدقہ'' یعنی بہترین شعر وہ ہے جو سچائی کا حامل ہے۔ اس سلسلے میں حضرت حسان بن ثابت فرماتے ہیں:

ان احسن الشعر انت قائله

بیت یقال اذا انشده صدقا

بہترین شعر جو تم کہنے والے ہو وہی ہے جس کو لوگ سن کر کہیں کہ یہ سچا شعر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

کہ زہیر سب سے بڑا شاعر ہے۔اس کے یہاں وحشی اور غریب الفاظ نہیں، اس کا کلام رواں ہے، اور اگر وہ کسی شخص کی تعریف کرتا ہے، تو اس پر اکتفا کرتا جو صفات کہ اس شخص کے اندر واقعی پائی جاتی ہیں۔

عرب ناقدوں میں ابن رشیق ایسے ناقد ہیں جو کذب ومبالغہ کو شاعری میں غلط تصور کرتے ہیں۔اور اس کو حدود سے تجاوز پر محمول کرتے ہیں۔ باقی تمام ناقدین اس پر متفق ہیں کہ کذب کا استعمال شاعری میں صحیح ہے۔عبدالقادر جرجانی ''احسن الشعر اکذبہ'' یعنی سب سے بہتر شعر وہ ہے، جو سب سے زیادہ جھوٹا ہو۔اور ''خیر الشعر اصدقہ'' دونوں اقوال کی تعریف کرتے ہیں اور دونوں نقطۂ نظر کی تشریح کرنے کے بعد کہتے ہیں، کہ جھوٹ سے شاعری کا میدان وسیع ہو جاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں ''صدق'' ایک تنقید مبحث کی حیثیت سے سامنے آیا مگر بعد میں یہ قائم نہ رہ سکا۔قدامہ کہتے ہیں کہ شاعر سے اس کی توقع نہ رکھنی چاہیے کہ وہ سب کچھ سچ کہے گا۔اس کی سچائی یہ ہے کہ جو بات وہ جس وقت کہہ رہا ہے اس میں اس کو پوری فنی عظمت پیش کرنی چاہیے۔